اعتبارِ وفا

نگہت سیما

یہ سچ ہے کہ محبت میں وقت کا وزن نہیں ہوتا... گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کیا دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے... کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سجھائی تک نہیں دیتی۔ ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑھکتا رہتا ہے۔

مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے... لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے... اور مان لیا جائے... کہ محبت کا اوّلین قانون اعتبار ہے... اور وفا کے غنچے وہیں کھلتے ہیں... جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دھول کتنی مسافتوں کی جمی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصہ
کہاں کا ذکرِ سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں

قسط 22

بچے کے ساتھ وہ گھر واپس آئے تو اُن کا دل جیسے اس بچے کے لیے رو رہا تھا اور وہ مسلسل دعائیں مانگ رہے تھے کہ اس کے والدین مل جائیں۔ جانے کس کی آنکھوں کا نور تھا، وہ اس کے لیے اپنے دل میں بے حد اپنائیت محسوس کر رہے تھے۔ اس کی آنکھیں انہیں چندا کی آنکھوں کی طرح لگی تھیں۔ شاید اس لیے وہ مانوس لگی تھیں۔ انہیں اپنا وہ ان دیکھا بیٹا یاد آیا جو اگر زندہ ہوتا تو اتنا ہی ہوتا...... بچہ ابھی تک خوفزدہ تھا اور رو تقفے، وقفے سے رونے لگتا تھا۔ خوف اور ڈر کی وجہ سے اسے بخار ہو گیا تھا۔ وہ اسے اپنے پاس اپنے بیڈ روم میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ ان سے چمٹ کر سوتا تھا۔ دو دن تک کسی نے خبر نہیں لی تھی، بچے کا بخار تیز تھا۔ وہ اسے خدا بخش کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس بھیج کر خود ایک بار پھر خانیوال کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ انہیں تین دن بعد مکان خالی کر کے خریدار کے حوالے کرنا تھا۔ کراچی سے بھی بیگ صاحب کے فون پر فون آ رہے تھے کہ وہ جلدی آ ئیں...... اچھی نوکریاں انتظار نہیں کرتیں۔

خدا بخش کا خیال تھا کہ بچے کو کسی یتیم خانے میں دے کر وہ لوگ کراچی چلے جائیں اور یتیم خانے والوں کو تمام صورتِ حال بتا دیں۔ خدا بخش کی بات پر انہوں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن اُن کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ ان تین دنوں میں یہ بچہ انہیں بہت عزیز ہو گیا تھا۔ وہ کراچی جانے سے پہلے ایک آخری کوشش کرنا چاہتے تھے۔ خانیوال جاتے ہوئے راستے میں اخبار کے آفس میں رک کر ایک بار پھر اشتہار چھپوانے کے لیے ادائیگی کی تھی۔ ممکن ہے کہ اس روز اشتہار کسی کی نظر سے نہ گزرا ہو اور اب کسی کی نظر پڑ جائے۔ خانیوال کی طرف جاتے وہ راستے میں جہاں کہیں کوئی لوگ نظر آتے یا چھوٹا موٹا چائے خانہ دکھائی دیتا تو وہ رک کر ضرور پوچھتے...... ابھی وہ

زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ ایک جگہ انہیں ایک بس کھڑی نظر آئی۔ مسافر بس سے اتر کر اِدھر اُدھر کھڑے باتیں کررہے تھے۔ وہ گاڑی ایک طرف کھڑی کر کے مسافروں کی طرف آئے کہ یہ جگہ بس کا اسٹاپ نہیں تھی۔

"کیا ہوا بھئی خیریت ہے ناں......؟" انہوں نے ایک مسافر سے پوچھا تھا۔

"خیریت ہے صاحب...... معمولی سی خرابی ہوگئی تھی بس میں...... ٹھیک ہوگئی ہے۔ ایک دو مسافر کھیتوں کی طرف چلے گئے ہیں۔ ان کا ہی انتظار ہورہا ہے۔" ایک مسافر نے بتایا۔ وہ واپس مڑے ہی تھے کہ دو مسافروں کو اسی روڈ پر کسی حادثے کا ذکر کرتے ہوئے سن کر رک گئے۔

"یار یہ سڑک بڑی خونی ہوگئی ہے۔ ابھی پچھلے مہینے اتنا بڑا ایکسیڈنٹ ہوا۔ ایکس بیس بندے مر گئے اور پرسوں رات کی بات ہے، ذرا آگے ایک پورا خاندان مار ڈالا ظالموں نے...... میں صبح کے وقت خانیوال سے آرہا تھا لاہور مال لینے تو ایک مرد اور ایک عورت کی لاشیں ایمبولینس میں رکھی جارہی تھیں۔"

"کون لوگ تھے وہ اور کس نے مارا؟" انہوں نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

"معلوم نہیں کون لوگ تھے لیکن ظالموں نے پورا خاندان ختم کر ڈالا۔ وہاں لوگ باتیں کررہے تھے کہ کوئی خاندانی دشمنی تھی۔ اس عورت کی لاش تو جنگل کی طرف سے ملی تھی۔ بیچاری جان بچانے کے لیے بھاگی ہوگی۔ لوگ کہہ رہے تھے، رات کے وقت بھی کچھ لاشیں اٹھا کر لے گئے تھے پولیس والے۔" اس نے تفصیل بتائی تھی۔

"کیا کوئی نہیں بچا؟" دوسرے مسافر نے پوچھا۔

"اگر کوئی بچا بھی ہوگا تو بعد میں ڈھونڈ کر مار دیں گے۔ میں جانتا ہوں یہ خاندانی دشمنیاں کتنی بری ہوتی ہیں۔ اُدھر ہمارے گاؤں میں بھی دشمنیوں میں سارے کا سارا خاندان مار ڈالا تھا۔ ایک معصوم بچہ بیچارہ بچ گیا تھا...... بعد میں اسے بھی مار ڈالا۔" اور ان کی آنکھوں میں سامنے وہ آگیا۔ سہما، سہما اور خوفزدہ سا جس کی چندا جیسی آنکھوں کو وہ حیرت سے دیکھتے تھے اور جو رات کو اُن سے چمٹ کر سوتا تھا۔ یقیناً یہ بچہ اسی مارے جانے والے خاندان کا تھا...... کو حادثے والی جگہ وہاں سے کافی دور تھی جہاں انہیں یہ بچہ ملا تھا لیکن اس کے سوجے ہوئے پاؤں بتاتے تھے کہ وہ دور سے ہی بھاگتا ہوا آیا تھا۔ اور اگر اس کے دشمنوں کو پتا چلا کہ وہ بچہ زندہ ہے تو وہ اسے بھی مار ڈالیں گے...... اور وہاں کھڑے، کھڑے ہی انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اس بچے کو اپنے ساتھ لے جائیں گے...... سارے رستے وہ دعا کرتے آئے تھے کہ ایک روز پہلے چھپنے والا اشتہار اور ریڈیو پر کرایا جانے والا اعلان اس کے دشمنوں نے نہ سنا ہو...... واپسی پر اخبار کے دفتر میں رک کر انہوں نے اشتہار چھاپنے سے منع کیا تھا اور دو دن بعد وہ خدا بخش اور بچے کے ساتھ کراچی آگئے تھے۔ بیگ صاحب بچے کو دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔

"آپ نے ذکر نہیں کیا تھا بچہ آپ کے پاس ہے۔" وہ بتانا چاہتے تھے کہ بچہ ان کا نہیں ہے لیکن پھر خاموش ہوگئے...... قدرت نے یہ انمول خزانہ انہیں سونپا تھا اور انہیں اس کی قدر کرنا تھی...... شاید اس نیکی کے طفیل اللہ کبھی ان کی بیٹی کو بھی ان سے ملا دے۔

بیگ صاحب کے چہرے پر پھیلتی مایوسی کو دیکھ کر وہ چونکے تھے لیکن نہیں سمجھ سکے تھے...... یہ تو بہت بعد میں انہیں پتا چلا تھا کہ بیگ صاحب اچانک ان پر اتنے مہربان کیوں ہوگئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کی بہن سے شادی کرلیں جو غالباً بیوہ تھیں یا مطلقہ...... لیکن چندا کے بعد وہ اپنی زندگی میں کسی کی گنجائش نہیں پاتے تھے اور اب تو رواحہ کی صورت انہیں زندگی کا مقصد مل گیا تھا۔ وہ اپنا نام نہیں بتا سکتا تھا صرف روحا ہی کہا تھا اس لیے انہوں نے اس کا نام رواحہ رکھا تھا۔ یہ نام بابا جان نے اپنے پوتے کے لیے سوچ رکھا تھا۔ بیگ صاحب نے ان سے مایوس ہونے کے باوجود اُن کا ساتھ دیا تھا۔ اگر بیگ صاحب ہر معاملے میں ان کا ساتھ نہ دیتے تو وہ کراچی جیسے اجنبی شہر میں سیٹل نہ ہو پاتے۔ بیگ صاحب سچ کہتے

تھے، یہ بہت مہربان شہر ہے۔ ہر نئے آنے والے کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیتا ہے.....وہ دل ہی دل میں بیگ صاحب کے بہت ممنون تھے۔ شروع، شروع میں رواحہ نے بہت تنگ کیا...... ماما...... ماما کر کے روتا تو روتا ہی چلا جاتا.....کہیں سے فائر بلکہ پٹاخوں کی ہی آواز آتی تو خوفزدہ ہو جاتا.....لیکن ہولے، ہولے وہ اُن سے مایوس ہوتا گیا اور اس نے ماما اور اماں کی تکرار کرنا بھی چھوڑ دی تھی۔۔اسکول میں داخل کرواتے وقت انہوں نے ولدیت کے خانے میں اپنا نام لکھا تھا۔وہ جانتے تھے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ لے پالکوں کو ان کے باپوں کے ناموں سے محروم مت کرو لیکن وہ اس کے باپ کے نام سے بے خبر تھے۔ اور اللہ نے اس صورت میں رعایت دی تھی۔

''میری ماما کہاں ہیں بابا؟'' وہ جب سات سال کا تھا تو پہلی بار اس نے پوچھا تھا۔

''اللہ میاں کے پاس......''

''وہ کب واپس آئیں گی؟'' وہ سوال پر سوال کر رہا تھا اور وہ اس کی ذہنی سطح کے مطابق جواب دے رہے تھے۔

''جو لوگ اللہ میاں کے پاس چلے جاتے ہیں، وہ واپس نہیں آتے۔''

''بابا آپ کبھی اللہ میاں کے پاس مت جانا...... مجھے ڈر لگے گا۔'' اور انہوں نے اسے اپنے بازوؤں میں سمو لیا تھا۔اب وہ پٹر پٹر بولتا تھا۔خدا بخش نے بادام کھلا، کھلا کر اسے بولنا سکھایا تھا۔اب تو وہ خود بھی بھول گئے تھے کہ رواحہ ان کا بیٹا نہیں تھا......وہ ان کا ہی بیٹا تھا ان کی زندگی کا حاصل......وہ کچھ دیر رواحہ کو نہ دیکھتے تو بے چین ہو جاتے......ان کے گھر میں رواحہ کے دم سے زندگی رقص کرنے لگی تھی۔اللہ نے رواحہ کی صورت ان کے زخموں پر مرہم رکھ دیا تھا۔

''بابا آپ ادھر بیٹھے ہیں مجھے جگا لیا ہوتا۔'' رواحہ نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔وہ چونکے۔

''تم سو رہے تھے، میں نے ڈسٹرب نہیں کیا۔''

''یہ جو ٹیبلٹ میں کھا رہا ہوں ناں ان میں نیند کا اثر ہے.....کھاتے ہی کچھ دیر بعد سو جاتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا......''ابھی ناشتا کر کے میڈیسن لی تھیں اور ساتھ ہی نیند آگئی۔''

''ہاں شاید......'' انہوں نے خدا بخش کی طرف دیکھا جس نے اندر آکر چائے کا مگ کافی ٹیبل پر رکھا تھا۔

''تم چائے لو گے......بنواؤں؟'' انہوں نے پوچھا تو رواحہ نے منع کر دیا۔

''ملک شیک بنا لاتا ہوں۔'' خدا بخش نے رائے دی۔

''نہیں چاچا......اس وقت کسی چیز کا بھی موڈ نہیں......''

''چلو تھوڑی دیر بعد بنا دیتا ہوں۔'' خدا بخش واپس جانے کے لیے مڑا تو انہوں نے آواز دی۔

''سنو خدا بخش! فارغ ہو کر صدقے کا بکرا دے آنا۔آج میرے بیٹے نے میرے ساتھ ٹیبل پر بیٹھ کر ناشتا کیا۔'' رواحہ نے بے حد محبت سے اُن کی طرف دیکھا۔

''میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ آپ میرے بابا ہیں۔''

''اور میری خوش نصیبی میں تمہیں کیا کچھ شک ہے۔'' انہوں نے برجستہ کہا۔

''میرا اتنا پیارا بیٹا ہے۔'' وہ بے اختیار مسکرایا۔

''آپ ادھار تو رکھتے ہی نہیں۔''

''میری جان تم نے نہیں سنا ادھار محبت کی قینچی ہے۔'' آج ان کا موڈ رواحہ کو دیکھ کر بہت خوشگوار تھا۔

''کیا واقعی بابا......پھر تو مجھے رتی کو کبھی ادھار نہیں دینا چاہیے نہ لینا چاہیے۔'' وہ محظوظ ہوا۔

''ہاں یار کیا حال ہے ہماری بہو کا..... گھر پر نہیں آئی تمہیں دیکھنے؟''
''ابھی وہ آپ کی بہو کے رتبے پر فائز نہیں ہوئی۔'' اس نے احتجاج کیا۔
''تو......'' انہوں نے بے پروائی سے کہا۔
''چند دنوں کی بات ہے، تم ٹھیک ہو کر یونیورسٹی جانے لگو گے تو میں ارتفاع کے والدین سے مل کر اس کے جملہ حقوق تمہارے نام لکھوا لیتا ہوں۔''
''کیا خبر بابا وہ لوگ انکار کر دیں۔'' پتا نہیں کیوں اس سے وہ توطی ہو رہا تھا۔
''بھلا کیوں انکار کریں گے...... کیا کمی ہے، میرے بیٹے میں۔'' انہوں نے فخر سے اسے دیکھا۔
''کمی نہ بھی ہو بابا..... تو ہوتا ہے ناں بعض لوگ خاندان، برادری، اسٹیٹس کو اہمیت دیتے ہیں۔'' وہ افسردہ نظر آنے لگا تھا۔
''کیوں...... کیا اس کے خاندان میں کوئی ہے اس کا ہم عمر؟'' وہ بھی سنجیدہ ہو گئے۔
''اس کی بہن تو اکلوتی ہیں..... البتہ پاپا کے بھائی، بہن ہیں...... لیکن ان لوگوں سے زیادہ روابط نہیں ہیں ان کے، ایک بار رتی نے بتایا تھا۔''
''میں جلد از جلد اس کے والدین سے ملنا چاہوں گا تم اس سے بات کرو اور تمہیں یاد ہے تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر خدانخواستہ یہ رشتہ طے نہ پا سکا تو تم اسے زندگی اور موت کا مسئلہ نہیں بناؤ گے...... روٹین کے دوسرے معاملات کی طرح لو گے۔'' رواحہ نے سر ہلایا تھا لیکن اس کے اندر دور تک افسردگی کا غبار پھیل گیا تھا۔ وہ بابا کو دکھی نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اسے لگتا تھا ارتفاع کے بغیر زندگی گزارنا ایسا ہی ہو گا جیسے اس میں سے مٹھاس نکل گئی ہو یا پھر جیسے کوئی بے رنگ پینٹنگ، جس کے سارے رنگ خراب ہو چکے ہیں...... اب بابا کو کیا پتا کہ ارتفاع تو اس کے دل پر حکمران تھی اور وہ اس حکمرانی پر خوش تھا۔
''بیگ صاحب اور قدیر صاحب آئے ہیں۔'' خدا بخش نے دروازے سے جھانک کر اطلاع دی تو وہ کھڑے ہو گئے۔
''تمہاری مزاج پرسی کو آئے ہوں گے۔ اِدھر ہی بلا لوں یا ڈرائنگ روم میں آؤ گے؟''
''آپ چلیں بابا، میں فریش ہو کر آتا ہوں۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے باہر چلے گئے تو اس نے پاس پڑا فون اٹھا لیا اور عقام کا نمبر ملانے لگا۔

☆☆☆

شاہجہان بے چینی سے اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔
''کیا ہوا ہے شاہجہان بیگم، یہ پاؤں کے نیچے انگارے بچھے ہیں کیا...... آرام سے ایک جگہ ٹک کر بیٹھ جاؤ تو تیل لگا دوں سر میں۔'' موراں نے جو اس کے سر میں تیل کی مالش کرنے آئی تھی اور تیل کی شیشی ہاتھ میں لیے اس کے بیٹھنے کا انتظار کر رہی تھی تنگ آ کر کہا تو شاہجہان نے رک کر اسے دیکھا۔
''یہ تیل لے جاؤ موراں، اس وقت مجھے نہیں لگانا۔''
''لو خود ہی تو کہہ رہی تھیں کہ بال روکھے ہو رہے ہیں تیل لگا دو تو صبح صبح نہا لوں گی...... رات اچھی طرح سر میں دھنس جائے گا...... آخر بات کیا ہے شاہجہان بیگم کل سے جلے پاؤں کی بلی کی طرح سارے گھر میں چکراتی پھر رہی ہو اِدھر سے اُدھر...... اوپر سے نیچے...... نیچے سے اوپر...... جب سے وہ موا کمبخت بابر نوید ہو کر گیا ہے تیرے تو ہوش ہی ٹھکانے نہیں...... لگتا ہے مالیخولیا ہو گیا ہے تجھے۔ کبھی چہکنے لگتی ہو، کبھی بجھ جاتی ہو، کبھی ہونٹوں پر ہنسی بکھر

جاتی ہے اور کبھی تشویش جھانکنے لگتی ہے۔ ارے کیا راز اگل کے گیا ہے وہ کمبخت......؟"
"تم بھی ناں موراں، بولنے پر آؤ تو بولتی ہی چلی جاتی ہو جیسے ظہورے اور شیدے کی روح سما گئی ہو تم میں......" وہ جھنجلائی۔
"ارے تو کل سے دیکھ رہی ہوں تمہیں، کوئی تو بات ہے؟" موراں کم بولتی تھی لیکن جب بولنے پر آتی تھی تو یونہی بال کی کھال نکال ڈالتی۔
"ارے بات کیا ہونی ہے موراں......" شاہجہان بیگم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ موراں کو بتانے میں بھلا حرج ہی کیا ہے۔ دائی سے بھی کبھی پیٹ چھپا ہے۔ کل سے جو خوشخبری دل میں چھپائے بیٹھی تھی اس سے پیٹ پھٹنے کو تھا۔
"کچھ تو ہے شاہجہان بیگم، نہ بتانا چاہو تو الگ بات ہے پر اتنا جانتی ہوں وہی موا کچھ سحر پھونک کر گیا ہے تیرے کانوں میں۔"
"تجھ سے کچھ چھپانا محال ہے موراں......" شاہجہان جیسے ہار مان کر اپنے صوفہ کم بیڈ پر بیٹھ گئی۔
"بس ذرا وزن کر رہی تھی کہ اس کی کہی بات میں کتنا سچ ہے۔"
"تو کرلیا وزن!" موراں کا لہجہ طنزیہ تھا......شاہجہان نے دھیان نہیں دیا۔
"تجھے یاد ہے موراں جب بابر نوید نے وسو کے ساتھ لڑکی بھیجنے کا کہا تھا اور وہ کمبخت لڑکی کے بجائے لڑکا اٹھا لایا تھا۔"
"اے ہائے کمبخت اسے ہی تو لینے نہیں آ گیا۔" موراں نے سینے پر بایاں ہاتھ مارا۔
"ہاں مجھے بھی یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں بابر کے دشمنوں کو خبر تو نہیں ہو گئی کہ ان کا وارث ہمارے پاس ہے اور وہ وسو بجت اسی لیے کھوجتا پھر رہا ہے۔ دسیوں چکر لگائے اس نے محلے کے گلی کے ہر گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا پر وہ تو......"
شاہجہان کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "وہ تو کسی اور ہی چکر میں ہے۔"
"بھلا کس چکر میں......؟" موراں تجسس سے تھوڑا سا اس کی طرف جھکی۔
"کہہ رہا تھا چاندی ہو جائے گی تیری......لڑکی نہ ملنے کا دکھ بھول جائے گی۔"
"اے ہے کیا مٹھیاں بھر، بھر لوٹ دے جائے گا تمہیں۔" موراں نے ناگواری سے کہا۔ "ارے مجھے نہیں اعتبار اس کمبخت وسو کا......ویسے پھر کب تک آنے کو کہا ہے اس نے؟"
"آج کل کا بولا تھا تب ہی تو بے چینی لگی ہے۔" شاہجہان نے بتایا۔
"اور اس نے لڑکے کا نہیں پوچھا کدھر گیا؟" موراں کو تجسس ہوا۔
"پوچھا تھا......کہہ دیا ادھر ادھر کہیں جھک مار رہا ہوگا آ جائے گا۔" شاہجہان اب کچھ مطمئن سی پاؤں اوپر کر کے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔
"شکر ہے ملنے کی ضد نہیں کی۔" موراں نے بھی اطمینان بھری سانس لی۔
"ارے کرتا تو کہہ دیتی بھاگ گیا، اب میں کوئی راکھی تو نہیں کر سکتی جوان لڑکوں کی۔ پر اس نے زیادہ کرید ہی نہیں کی اور میں یوں ہی ڈر کر لاہور سے بھاگی کہ کہیں یہاں آ کر اسے کھوجتا نہ پھرے......پتا ہوتا تو دو چار دن اور رک جاتی شاید کام بن ہی جاتا۔"
"اب ایسا کون سا کام آ پڑا تھا۔ مجال ہے جو منہ سے پھوٹو۔" موراں بڑبڑائی اور پھر قدرے بلند آواز میں بولی۔ "تو نے بھی تو اسے حاجی دادا کے حوالے کر دیا۔ ادھر رہتا تو سو کام کر دیتا......ظہورا، شیدا تو اب بوڑھے

ہو چلے بھلا کتنے دن چلیں گے۔ جوان لڑکے کا آسرا ہوتا...... پر کبھی، کبھی تو تیری عقل پر پتھر ہی پڑ جاتے ہیں...... یا اپنی بجو کی طرح پڑھا لکھا کر کسی دفتر میں نوکر کروا لیتیں۔ دس لوگ چوبارے پر آنے والے تھے کوئی نوکری دلوا ہی دیتا...... اور یہ تو جو بجو کے لیے پریشان ہو رہی ہے اسی سے نکاح پڑھا لیتیں اس کا...... گھر میں ہی نبڑ جاتی بجو۔'' آج موراں بہت بولنے کے موڈ میں تھی اور یہ دورہ اسے کبھی کبھار ہی پڑتا تھا۔ شاہجہان زیادہ روک ٹوک نہیں کرتی تھی۔ شیدے کو اسٹیشن پر یہ روتی ہوئی ملی تھی۔ چودہ پندرہ سال کی عمر تھی۔ جانے بھاگ کر آئی تھی کسی کے ساتھ یا اکیلی بھاگی تھی لیکن اس نے منہ سے کبھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ شیدا بہلا پھسلا کر گھر لے آیا تھا۔ آواز اس کی عجیب بھاری سی اور بیٹھی ہوئی تھی...... گانے کے لیے تو پہلے ہی استاد جی نے نہ کر دی اور رقص سکھاتے میں استاد کو دانتوں پسینے آگئے۔ کبھی جو اس کا پاؤں صحیح پڑا ہو...... تھک ہار کر استاد جی نے ہاتھ اٹھا لیے۔

''یہ نہیں سیکھنے کی شاہجہان بیگم اسے تو دوسرے کام پر لگا دو۔''

شکل صورت واجبی، رنگت، کالی، سانولی تو کبھی نہیں جا سکتی تھی۔ اور اب وہ وقت بھی نہیں رہا تھا کہ جب کالی، بھدی، ناٹی، بدصورت سب چل جاتی تھیں۔ اب تو...لوگ دو گھڑی کے ساتھ کے لیے بھی حسن کی مورت مانگتے تھے۔ ناچار شاہجہان بیگم نے اسے باورچی خانہ سنبھالنے پر لگا دیا۔ بوا سے ویسے بھی کوئی زیادہ کام نہ ہوتا تھا اور چوبارہ تب لڑکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک سے ایک طرح دار اور موراں نے ہولے، ہولے باورچی خانہ کیا پورے چوبارے کو سنبھال لیا۔ لڑکیوں کے کھانے پینے سے لے کر لباس، میک اپ، دوسری ضروریات ہر چیز کا خیال رکھنے لگی۔ گزرتے وقت کے ساتھ، ساتھ وہ شاہجہان بیگم کی رازدار سہیلی کی طرح ہو گئی لیکن شاہجہان بیگم کو بھی جو چھپانا ہوتا دھواں تک نہ نکالتی۔

''میں پوچھتی ہوں شاہجہان آخر ایسا کیا جادو کر دیا تھا حاتی دادا نے تم پر، اٹھا کر بچہ اس کی گود میں ڈال دیا۔ مجھے دیا تھا تو میرے پاس ہی رہنے دیا ہوتا آج میرے بڑھاپے کا سہارا ہوتا۔'' شاہجہان بیگم کو خاموش دیکھ کر موراں نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ کیسے ایک دن کے بچے کو موراں نے سنبھالا تھا اور شاہجہان نے پوچھا نہ بھالا اور حاتی دادا کے حوالے کر دیا۔ شاہجہان کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔ اب بیچاری موراں کو کیا خبر کہ حاتی دادا کیا تھا اس کے لیے...... اس کے تو نام سے ہی شاہجہان کے اندر پھلجھڑیاں چھوٹنے لگتی تھیں۔ بڑا انوکھا سا عشق ہوا تھا اسے حاتی دادا سے جس میں نہ طلب تھی نہ پانے کی آرزو...... نہ کبھی عمر بھر کے ساتھ کی دعا مانگی...... نہ بدلے میں اس کی محبت چاہی۔ بس اللہ سے اس نے صرف اس کی سلامتی اور خیریت مانگی تھی جب تک لاہور میں رہی...... ہر مہینے کی پہلی جمعرات کو داتا صاحب پر دیگ چڑھاتی تھی۔

''اپنی اولاد تو یہاں چھوڑ گیا اور دوسرے کی سینے سے لگا کر لے گیا۔''

موراں کو بچے کے جانے کا بہت غم تھا۔

''بچہ لے کر ایسا گیا کہ مڑ کر پوچھا تک نہیں کہ بچ پھوٹا یا نہیں......'' موراں پھر بڑبڑائی۔

شاہجہان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''اب موراں غریب کو کیا خبر کہ یہ تو ایک پرایا بچہ تھا جسے شاہجہان نے کبھی نظر بھر کر دیکھا تک نہیں تھا، وہ تو شاہجہان کی جان مانگتا تو شاہجہان اس کے قدموں میں لٹا دیتی...... وہ تو اس کی ساتوں خیریں مانگتی نہ تھکتی تھی، وہ آتا تو اس کے قدموں میں اپنی آنکھیں بچھا دیتی...... جاتا تو دور تلک اس کی آنکھیں اس کے قدموں سے لپٹ کر ساتھ جاتیں...... اس کا عشق موراں کی سوچ سے بلند تھا۔ دسیوں مردوں کو برتنے والی شاہجہان نے حاتی دادا کے عشق کی آگ جو اپنے اندر دہکا رکھی تھی اس کی ذرا سی آنچ باہر تک نہیں آئی تھی۔ مٹھا سائیں سے جھگڑے کے بعد وہ

اسے وحدت روڈ والے گھر میں چھوڑ گیا تھا اور وہ اس گھر میں اس کی راہ یوں تکا کرتی جیسے وہ اس کی گھر والی ہو اور اسے شوہر کا انتظار ہو...... ہر کھٹکے پر چونکتی اور دروازے کی طرف یوں دیکھتی جیسے ابھی وہ دروازے سے اندر داخل ہوگا...... شام ہوتے ہی اس کا دل گھبرانے لگتا تھا اور وہ صحن میں نکل آتی تھی۔ کانوں میں گھنگروؤں کی مخصوص آواز گونجتی تو دل و دماغ بوجھل ہو جاتے۔

اس روز بھی بتیاں جلتے ہی وہ صحن میں نکل آئی تھی...... جب دروازے پر بیل کے بجائے دستک ہوئی تھی...... نہیں دستک بھی نہیں بلکہ کسی نے دروازہ دھکیلا تھا اور وہ نہ جانے کس ڈور سے بندھی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی اور پھر دروازہ کھولتے ہی ششدر رہ گئی تھی...... وہ اس طرح تو کبھی نہیں آیا تھا۔ بال بکھرے، مٹی سے اٹے...... آنکھوں میں سرخی اور زمانے بھر کی وحشت...... پاؤں سے ننگا، ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ کپڑے میلے ملگجے...... جانے کہاں، کہاں کی خاک چھان کر آیا تھا۔ اس نے بازو سے پکڑ کر اسے دہلیز سے اندر کیا اور اس سے لپٹ گئی۔

''یہ کیا حال ہو گیا ہے تمہارا دادا......؟''

وہ بس خالی، خالی ویران نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہیں کھڑا رہا، مڑ کر دروازے کو دیکھتا جیسے غلطی سے آ گیا ہو...... اور ابھی بند دروازہ کھول کر پلٹ جائے گا...... اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور کشاں، کشاں اپنے کمرے میں لے آئی...... اسے گلے سے لگایا۔ مٹی سے اٹے بالوں والے سر کو بار، بار چوما۔ پھر بازو سے پکڑ کر اپنے بیڈ پر بٹھایا۔

''کیا ہوا دادا بولتا کیوں نہیں؟''

وہ رونے کو ہو گئی...... محبوب کو اس حال میں دیکھنا آسان کہاں تھا اور وہ چپ سادھے بیٹھا تھا...... وہ اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''دادا تیرا یہ حال کیسے ہو گیا ہے، کسی نے کوئی بڑا ظلم توڑا تجھ پر...... بول دادا کچھ تو بول شاہجہان تجھ پر قربان جائے۔''

اور اس نے شاہجہان کا ہاتھ پکڑ کر اسے زمین سے اٹھایا تھا اس کی کھنچی ہوئی خشک آنکھوں میں نمی سی اتری تھی اور پھر اس کے گلے لگ کر دہاڑیں مار، مار کر رویا تھا۔ شاہجہان نے اس کے آنسو پونچھے تھے اور اس کے ساتھ آنسو بہائے تھے۔ اس کا عشق جیسے مامتا کے جذبے میں ڈھل گیا تھا۔ اس نے اس کا سر گود میں رکھا تھا اور پھر پوری رات اس کا سر گود میں لیے بیٹھی اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا...... حاتی دادا نے نہیں بتایا تھا۔ ایک لفظ بھی اس کے منہ سے نہیں نکلا تھا لیکن اس کا انجانا درد شاہجہان کے دل میں اتر آیا تھا...... پھر وہ یونہی روتے، روتے اس کی گود میں سر رکھے، رکھے سو گیا تھا...... جانے کتنی راتوں کا رت جگا تھا، جانے کتنے زخم سینے پر لگے ہوئے تھے۔ شاہجہان بیگم نے بہت احتیاط سے اس کا سر تکیے پر رکھا تھا...... ٹانگیں سیدھی کی تھیں اور خود بھی برابر میں لیٹ گئی تھی...... یہ رات اس کی زندگی کی سب سے خوب صورت رات تھی۔ اس رات کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا۔ ایسی رات پھر اس کی زندگی میں کبھی نہیں آئی تھی...... اس ایک رات کا نشہ پوری زندگی اسے مخمور کیے رہا...... پوری رات وہ جاگی تھی اور حاتی دادا کے ایک، ایک نقش کو انگلیوں سے چھو کر دل میں اتارتی جاتی تھی۔ صبح سویرے نہا دھو کر وہ سنگار میز کے آئینے کے سامنے کھڑی بال سلجھا رہی تھی جب موراں دستک دے کر اندر آئی تھی۔ موراں نے بیڈ پر گہری نیند سوئے حاتی دادا کی طرف دیکھا تھا اور پھر گیلے بال سلجھاتی شاہجہان کو اور ایک معنی خیز سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ٹھہر گئی تھی۔

''ناشتا ادھر کمرے میں ہی کرو گی ناں......؟''

''ہاں...... لیکن کچھ دیر بعد لانا...... ابھی دادا سو رہے ہیں۔'' شاہجہان کے چہرے پر ایک انوکھی سی چمک تھی آنکھوں میں بن پیے ہی خمار چھایا ہوا تھا۔ موراں نے سر ہلایا۔

''کنگھی کرلو تو ذرا اس سنہری کے کان کھینچو...... کب سے موتیا سے جھگڑا کررہی ہے۔ ادھر استاد جی دونوں کے انتظار میں سو کھ رہے ہیں۔ یہ بالشت بھر کی لڑکی اور زبان ایسے چلتی ہے جیسے قینچی......'' شاہجہان نے ناگواری سے موراں کی طرف دیکھا۔

''کیا ہے موراں...... یہ ذرا سی لڑکی تم سے نہیں سنبھلتی۔''

''ارے لڑکی ہے یا پوری فتنہ......؟'' موراں بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ وہ بھی ہار سنگار کر کے سنہری کے کان کھینچنے آئی تو سنہری، موتیا کے گلے سے لپٹی اس کے کانوں میں سرگوشیاں کررہی تھیں اور دونوں ہنس رہی تھیں۔

''یہ موراں بھی ناں بات کا بتنگڑ بناتی ہے۔'' وہ سر جھٹک کر واپس کمرے میں آئی تو حاتی دادا بیڈ پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔ آنکھوں میں ویرانی اور وحشت تھی۔

''منہ ہاتھ دھولو دادا اور کچھ کھاپی لو......'' شاہجہان نے واش روم کی طرف اشارہ کیا اور خود موراں کو آواز دے کر ناشتا لانے کے لیے کہا۔ حاتی دادا اٹھ کر واش روم میں چلا گیا...... کچھ دیر بعد ہی وہ ہاتھ منہ دھو کر آگیا...... اس کے چہرے پر ایسا کرب تھا کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے شاہجہان کا دل پھٹتا تھا۔

''میں نے ناحق رات آپ کو تکلیف دی شاہجہان بیگم...... بس بے خبری میں چلا آیا۔''

''تمہارا اپنا گھر ہے دادا، جم جم آؤ...... سیکڑوں بار آؤ...... ہزار بار آؤ۔'' شاہجہان کی وارفتہ نظروں نے اس کا چہرہ چھوا تھا لیکن وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ خاموش، اپنے آپ میں گم...... اندر ہی اندر کسی گہرے غم سے لڑتا ہوا...... موراں ناشتا لے آئی تھی۔ گرم، گرم خستہ پراٹھے، آملیٹ اور اچار کے ساتھ آلو کی کراری بھجیا...... پتا نہیں کتنے دنوں سے حاتی دادا نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ خوب صورت آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے...... صبیح چہرے پر ٹھنڈی زردیاں......

''بھوک زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے دادا...... غم کتنا بھی بڑا کیوں نہ ہو پیٹ روٹی مانگتا ہے۔'' شاہجہان نے خود ہی پلیٹ میں آملیٹ اور بھجیا ڈال کر زبردستی پلیٹ اس کے ہاتھ میں دی...... اور حاتی دادا نے میکانکی انداز میں پکڑلی اور پراٹھے کی طرف ہاتھ بڑھایا...... تب ہی دروازہ زوردار آواز سے کھلا تھا اور وہ دوڑتا ہوا اندر آیا تھا اور اب کمرے کے وسط میں کھڑا دونوں کو باری، باری دیکھ رہا تھا۔ حاتی دادا نوالہ منہ میں ڈالنا بھول گیا تھا اور اس نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی بناوٹ بالکل روحان اور قرحی کی طرح تھی۔ اس کی گھنی پلکیں، اس کے دیکھنے کا انداز...... یہ اس نے بعد میں شاہجہان کو بتایا تھا...... وہ اسے حیران سا دیکھ رہا تھا جب سنہری بھاگتی ہوئی اندر آئی تھی۔

''اماں...... اماں یہ کاکا، موتی کی لپ اسٹک اٹھا کرلے آیا ہے۔'' شکایت لگا کر اس نے زبردستی اس کی مٹھی کھول کر اس میں سے لپ اسٹک نکالی تھی اور پھر فاتحانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر اپنی شکایت میں اضافہ کیا تھا۔ ''اماں سمجھالے اسے، کل اس نے موتیا کی نیل پالش توڑ دی اور شہزادی کی پوڈر کی ڈبیا اٹھا کر سارا پوڈر گرادیا اور......''

''ادھر آ تیرے کان کھینچوں منحوس نہ ہو تو......'' اس سے پہلے کہ سنہری کا شکایت نامہ طویل ہوتا اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچا تھا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں خوف کے سائے لرزنے لگے تھے اور اس نے سہمی، سہمی نظروں سے حاتی دادا کی طرف دیکھا تھا اور پھر شاہجہان سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ کر حاتی دادا کے بازو سے لپٹ گیا۔ حاتی دادا نے بے اختیار اسے اٹھا کر گود میں بٹھاتے ہوئے ایک بازو اس کے گرد حمائل کرلیا...... وہ چہرہ اٹھائے اب حاتی دادا

کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی سنہری آنکھوں کا سحر جا تار ہا تھا۔ اور وہ متجسس نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''تم کون ہو؟'' لمحہ بھر بعد ہی تے سوال داغ دیا تھا...... وہ تقریباً روحان کا ہم عمر تھا۔ لیکن اس کی زبان صاف تھی اور اس نے پورا جملہ بولا تھا جبکہ روحان ایک، ایک لفظ بولتا تھا...... اور وہ بھی اس نے بہت لیٹ بولنا شروع کیا تھا۔
''میں......'' وہ سٹپٹایا تھا۔
''تم پاپا ہو؟'' اس نے اپنے ننھے سے ہاتھ کی انگلی اس کے سینے پر رکھی تھی۔ ''میرے پاپا......'' اس کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی تھی اور اس نے بہت فخر سے حاتی دادا کو اور پھر شاہجہان کو دیکھا تھا جیسے سوال بوجھ جانے کا فخر...... شاہجہان نے دانت پیسے تھے...... یہاں اس گھر میں ٹی وی موجود تھا اور وہ سنہری کے ساتھ بیٹھا ہر وقت ٹی وی دیکھتا رہتا تھا۔ یہ لفظ یقیناً اس نے ٹی وی سے سیکھا تھا۔ ورنہ ان کی زندگیوں میں اس لفظ کا وجود نہیں تھا۔
''تم نہیں...... آپ بولتے ہیں۔'' حاتی دادا نے اس کا رخسار چوما تھا اور وہ جز بز ہو رہی تھی۔ حاتی دادا، شاہجہان کے بیڈ روم میں اس کے ساتھ بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔ ایسا منظر تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس منظر کو اپنی آنکھوں میں مقید کر لینا چاہتی تھی اور دل میں سمو لینا چاہتی تھی اور اس منظر میں کاکے کا وجود رقیب جیسا لگ رہا تھا۔
''سنہری جاؤ اور اسے بھی لے جاؤ اور یہ اس کے پیچھے کدکڑے لگانے کے بجائے جا کر استاد جی سے اپنا سبق لو...... اُدھر تو دماغ نہیں چلتا بس شرارتوں میں خوب چلتا ہے۔'' سنہری نے غصے سے کاکے کا بازو پکڑ کر کھینچا۔
''چل تیری تو میں اچھی طرح دھنائی کرتی ہوں۔'' وہ دونوں ہاتھ حاتی دادا کی کمر کے گرد پھیلا کر اس سے چمٹ گیا تھا۔
''تم جاؤ سنہری، اسے میرے پاس رہنے دو۔'' حاتی دادا نے اسے جانے کا اشارہ کیا تو شاہجہان نے اس کا دھیان ناشتے کی طرف کروایا۔
''ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے دادا تم ناشتا کرو اور اسے بھیج دو۔''
''تم نہیں آپ......'' وہ کھِل کھِل کر کے ہنسا تھا۔
کمبخت نے کیسے دادا کی بات اچک لی تھی۔ شاہجہان نے بہ مشکل اپنی ناگواری چھپائی...... حاتی دادا نے مسکرا کر اس کے منہ میں نوالہ ڈالا تھا۔ وہ لقمے بنا، بنا کر اس کے منہ میں ڈال رہا تھا اور شاہجہان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس ننھے فتنے کا گلا گھونٹ دے...... کمبخت بابر بھی اسے بھجوا کر بھول گیا تھا...... کہتا تھا روٹی، پانی کا خرچ دوں گا پر کبھی ایک روپلی تک نہیں بھجوائی...... کاکا کبھی، کبھی دادا کے ہاتھ سے لقمے کر اس کے منہ میں ڈال دیتا تو حاتی دادا کا چہرہ چمک اٹھتا۔
''یہ بچہ کون ہے شاہجہان بیگم؟'' یہ دوسری بات تھی جو کل سے اب تک اس نے براہِ راست شاہجہان بیگم سے کی تھی۔ اس وقت شاہجہان بیگم کو اس کے چہرے پر وہ اضطراب نظر نہیں آرہا تھا جو صبح سے دیکھ رہی تھی۔
''تھا ایک امیر زادہ بابر نوید کسی دشمن کا بچہ اٹھا کر میرے در پر پھینک گیا کہ بڑا ہو کر تیرے کام کر دے گا۔''
حاتی کا رنگ ذرد سا پڑ گیا تھا اور آنکھوں سے کرب جھانکنے لگا تھا۔
''بتایا کہ کون تھا اس کا دشمن......؟''
''نہیں......'' شاہجہان نے نفی میں سر ہلایا۔
''ایک دن کے بچے کو اسپتال سے لڑکی کے دھوکے میں اٹھا لیا بابر نوید نے...... میں نے بھی ترس کھا کر رکھ لیا ہے۔ اس نے تو تین سال سے مڑ کر دیکھا تک نہیں اِدھر...... کئی دفعہ سوچا کسی یتیم خانے میں داخل کر دوں پر پھر اس

خیال سے رکھ لیا کہ چلو چند سال کی بات ہے پھر تو چوبارے کے کام جوگا ہو جائے گا۔" شاہجہان کو اس وقت وہ زہر سے بھی برا لگ رہا تھا۔ جس نے حاتی دادا کی ساری توجہ کھینچ لی تھی...... حاتی دادا نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"جانے کس گھر کا چراغ ہوگا...... اور بیچارے والدین کا کیا حال ہوگا؟" اس نے بہت آہستگی سے کہا۔

"شکر ہے کہ مروایا نہیں یہاں پھینک گیا ورنہ دشمنی میں تو گھر کے گھر ختم کر ڈالتے ہیں ظالم......" شاہجہان نے بھی جیسے خود کلامی کی تھی لیکن حاتی دادا کی آنکھوں سے غم چھلکنے لگا تھا۔

"پاپا......" کاکے نے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"سنہری مارتی ہے۔"

"چل چپ کر کمبخت...... ایک ہاتھ کا ہے اور زبان دیکھو......"

"شاہجہان بیگم اس بچے کو مجھے دے دو...... اس کی آنکھیں بالکل فرحی اور روحان کی طرح ہیں۔" حاتی دادا نے التجا کی تھی۔ "عمر بھر تمہارا ممنون رہوں گا۔"

"دادا تم جان بھی مانگو تو شاہجہان دیتے ہوئے لمحہ بھر بھی نہیں ہچکچائے...... یہ تو ایک بچہ ہے وہ بھی کسی غیر کا...... خواہ مخواہ کا بوجھ...... شاہجہان کا اپنا بھی ہوتا تو تیرے قدموں میں ڈال دیتی۔" شاہجہان نے بے اختیار کہا تھا۔

"بہت شکریہ شاہجہان بیگم...... اور اس کا نام کیا ہے؟"

"نام تو کوئی نہیں رکھا بس سب اِدھر اس کو کاکا کہتے ہیں...... سنہری نے پہلے کہا تھا ناں اس کی دیکھا دیکھی سب کاکا کہنے لگے۔"

"میرا نام ہے۔" بچہ حاتی دادا کی گود سے اتر کر کھڑا ہو گیا تھا۔ شاہجہان نے دیکھا اس کے چہرے پر خفت سی تھی۔ جیسے نام نہ ہونا کوئی بڑی شرمندگی کی بات ہو۔

"اچھا تو پھر کیا نام ہے ہمارے بیٹے کا؟"

"عظمی۔" اس نے فوراً جواب دیا تھا۔

"ہر وقت ٹی وی کے آگے بیٹھا رہتا ہے جو نام سنتا ہے اسے ہی اپنا سمجھنے لگتا ہے۔" شاہجہان کو خواہ مخواہ ہی اس سے چڑ ہو رہی تھی۔ حاتی دادا کو کسی کندھے کی ضرورت تھی جس پر سر رکھ کر وہ آنسو بہا سکے یہ بات شاہجہان نے محسوس کر لی تھی...... اسے حاتی دادا کے لیے وہ کندھا بننا تھا اسے دلداری بھی آتی تھی اور وہ ناز اٹھانا بھی جانتی تھی...... ٹوٹے بکھرے ہوئے مرد کو سنبھالنے کا ہنر بھی آتا تھا اسے...... لیکن اس فتنے نے آ کر سارا منظر بدل ڈالا تھا...... حاتی دادا کو شاید اب کسی کندھے کی ضرورت نہیں رہی تھی...... وہ بچے کو گود میں اٹھائے اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔

"اگر خان دادا اِدھر آئیں میرے بارے میں مت بتانا کہ میں یہاں آیا تھا۔" اس نے شاہجہان بیگم کو تاکید کی تھی۔

"تو کیا تم خانو دادا کے پاس نہیں جاؤ گے؟" شاہجہان نے پوچھا تھا یہ الگ بات کہ حاتی دادا نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا...... اس نے اس کے جانے کے بعد سب کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ خانو دادا سے کوئی بھی حاتی دادا کے یہاں آنے کا ذکر نہیں کرے۔

موراں نے بہت واویلا مچایا تھا بلکہ دو چار آنسو بھی بہائے تھے کہ ایک دن کے بچے کو اس نے راتیں جاگ کر پالا اور شاہجہان نے اٹھا کر حاتی دادا کو دے دیا۔

"اچھا تیری کوکھ کو جنا تھا جو تجھے اتنی تکلیف ہو رہی ہے......؟ میں نے ہی تیری جھولی میں ڈالا تھا ناں......" موراں خاموش ہو گئی تھی لیکن شاہجہان دیکھتی تھی کہ وہ بہانے، بہانے سے اسے یاد کرتی تھی۔ اور آج یہ موراں نے کیا یاد دلا دیا تھا کہ کئی یادوں کے در کھل گئے تھے۔ اس نے سامنے صوفے پر تیل کی شیشی ہاتھ میں پکڑے

بیٹھی موراں کی طرف دیکھا جو کھوجتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی...... جس صبح حاتی دادا کاکے کو لے کر گیا تھا۔ اسی رات خانو دادا بھی چلا آیا تھا...... پریشان حال تھکا ہارا نڈھال سا...... آتے ہی لابی میں پڑے صوفے پر گر سا گیا تھا۔

''ارے خانو دادا آپ......'' وہ اس کے سامنے جھک سی گئی تھی۔ خانو دادا کے اس پر بڑے احسان تھے۔ ''کتنے سالوں بعد شکل دکھائی ہے۔''

''میں بہت پریشان ہوں شاہجہان......''

''ہائے...... ایسا کیا ہو گیا دادا...... اندر چلیں کمرے میں آ کر آرام سے بیٹھیں...... یہاں اس چھوٹے صوفے پر تو بہت بے آرام ہو رہے ہیں۔''

''ثمر حیات تو نہیں آیا تھا ادھر......''

''کون ثمر حیات؟'' وہ لمحہ بھر کو حیران ہوئی تھی لیکن پھر اسے یاد آیا تھا ایک بار شیر خان نے اسے اسی نام سے پکارا تھا۔ تب اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اس گھر میں چھوڑ کر گیا پھر مڑ کر خبر تک نہیں لی......'' وہ خانو دادا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے روم میں لے آئی تھی۔ ''دادا ہم کب واپس اپنے چوبارے پر جائیں گے۔''

''جب دل چاہے...... جی کرے تو صبح ہی چلی جاؤ......'' خانو دادا بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ ''تیرا مٹھا سائیں تو ملک سے بھاگ گیا...... اس کے باپ کی مخالف پارٹی کے لیڈر نے اس کے خلاف اپنے دو بندوں کے قتل کی ایف آئی آر کٹوا دی تھی۔ انہیں گرفتاری سے قبل ہی پتا چل گیا تھا...... سو بھاگ گیا اب جب تک یہ پارٹی اقتدار میں ہے سمجھو وہ باہر ہی رہے گا...... تم بے فکر ہو کر جاؤ۔'' اور خانو دادا کی بات سن کر شاہجہان بیگم کھل اٹھی تھی۔

''شکر ہے دادا...... وفعان ہوا لڑکیاں بیچاری ادھر تو گھٹ کر رہ گئی ہیں۔''

''وہ تو چلا گیا شاہجہان بیگم لیکن جانے سے پہلے میری بیٹی کا گھر برباد کر گیا۔'' اس نے ساری تفصیل بتائی تو شاہجہان پچھتاوے میں گھر گئی تھی۔ کیا تھا اگر وہ صبر کر لیتی...... چار دن بعد چاؤ اتر جاتا...... یہ امیر زادے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ نیا، نیا جوان ہوا تھا تو دیوانہ ہو رہا تھا...... اور اسے بھی کونج کی بے بسی کی موت نے آگ لگا دی تھی، وہ مٹھا سائیں کو مزہ چکھانا چاہتی تھی لیکن کیا ظلم کمایا تھا اس نے محبوب کے دل کو ٹکڑے، ٹکڑے کر ڈالا تھا...... خانو دادا کی آنکھیں یوں سرخ ہو رہی تھیں جیسے ان سے ابھی، ابھی خون ٹپک پڑے گا۔

''تین چار دن ہو گئے اسے ڈھونڈتے...... بہت عزیز تھا مجھے...... میری بیٹی کا سہاگ تھا...... جانے کہاں نکل گیا۔''

''دادا......'' احساسِ شرمندگی میں گھری شاہجہان نے اسے زبردستی بیڈ پر لٹایا تھا۔ اس کے جوتے اتارے تھے اور پھر اس کے پاؤں دبانے لگی تھی۔ یہ کیا ہو گیا تھا اس سے نادانستگی میں...... اس نے خانو دادا کو ہی دکھ نہیں پہنچایا تھا بلکہ اپنے محبوب کا دل بھی نوچ ڈالا تھا۔ وہ محبوب جس کی خبر صرف اس کے دل کو تھی اور جس کے لیے وہ دعائیں مانگتے نہ تھکتی تھی...... خانو دادا جانے کب سو گیا تھا، وہ بھی کھانا کھا کر ایک طرف پڑ گئی تھی۔ موراں کو اس نے کہہ دیا تھا کہ لڑکیوں کو بتا دے صبح، صبح واپس جانے کی تیاری کر لیں...... لڑکیوں کے ہنسنے کھلکھلانے کی آوازیں سنتے، سنتے جانے وہ بھی کب سو گئی تھی...... جانے رات کا کون سا پہر تھا جب خانو دادا کے رونے سے اس کی آنکھ کھلی تھی...... وہ بیڈ پر بیٹھا گھٹنوں پر سر رکھے رو رہا تھا۔

''دادا......'' وہ اٹھ کر اس کے پاس آئی تھی...... ''کیا ہوا؟'' اس نے اس کا سر سینے سے لگایا تھا...... تسلی دی تھی۔

''وہ میری بیٹی جیسی تھی شاہجہان بلکہ بیٹی ہی تھی جسے ظالموں نے گولیوں سے چھلنی کر دیا اور وہ میرا نواسا تھا۔ بہت پیارا لگا تھا مجھے...... وہ جانے کہاں بھٹک رہا ہو گا اور اس کا باپ...... میں تو خود کو سخت دل آدمی سمجھتا تھا لیکن میرا

دکھ کم نہیں ہو رہا...... ایسا لگتا ہے جیسے دل پھٹ جائے گا اور وہ شیر خان میرا جگر، میرا یار وہ بھی تو...... شاہجہان کچھ ایسا دے دو مجھے کہ یہ غم بھول جاؤں...... کچھ بھی یاد نہ رہے۔'' شاہجہان اسے تسلی دے کر ابھی تو ظہورے کے پاس سے ولایتی شراب کی بوتل اٹھا لائی تھی...... کبھی کوئی شوقین آجاتا تھا اور طلب کرتا تھا سو ظہورے کے پاس کچھ نہ کچھ ہوتا تھا...... خانو دادا شاید عادی نہ تھا سو جلد ہی نشہ چڑھ گیا تھا...... کبھی شاہجہان کا ہاتھ پکڑتا تو کبھی اسے گلے سے لگاتا۔

''ارے لو شاہجہان بیگم کن بھول بھلیوں میں گم ہو گئی ہو...... منہ سے کچھ پھوٹو تو...... اگر لڑکے کی تلاش میں نہیں آیا تھا تو کیوں ڈھونڈتا پھر رہا تھا تجھے۔'' موراں نے پوچھا۔

''اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ بول رہا تھا...... لڑکی لے کر آئے گا...... بتایا تو ہے پہلے بھی۔'' شاہجہان مسکرائی۔

''بوڑھی ہڈیوں میں جان نہیں ہے شاہجہان بیگم کسی ننھی چوزی کو پالنے کی جب تک جوان ہو گی ہم تم تو چل بسیں گے۔'' موراں نے ہاتھ میں پکڑی تیل کی شیشی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کی۔

''موراں......'' شاہجہان خوش دلی سے ہنسی۔ ''کوئی ننھی چوزی نہیں لا رہا...... جوان جہان لڑکی ہے۔ ارے وہی اس کمبخت کی بہن جس کے مغالطے میں بھائی کو اٹھا لایا تھا...... وہ دسو آیا تھا صبح کہہ رہا تھا چاند کا ٹکڑا ہے لڑکی، وارے نیارے ہو جائیں گے۔''

''لڑکا بھی تو کچھ کم خوب صورت نہیں تھا۔'' موراں کے کلیجے پر ہاتھ پڑا تھا۔

''اسی جیسی ہو گی...... میرے کھوٹے نصیب۔''

''ارے چار دن کیا پالا ماں ہی بن بیٹھی ہو اس کی جہاں بھی ہو گا اِدھر سے اچھا ہو گا۔'' شاہجہان کو اس کی ٹھنڈی آہ بھرنے پر تپ چڑھی۔

''ٹھیک کہتی ہو شاہجہان، بول کب لا رہا ہے لڑکی کو۔'' موراں نے پھر ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

''آج کل میں ہی لانے کا کہا ہے اس نے، تجھے نہیں پتا موراں کتنی پریشان تھی میں۔'' شاہجہان نے موراں کو پوری بات بتانے کا ارادہ کیا۔

''ارے تو بتاتی تو پتا چلتا ناں...... پر تیری مرضی دل چاہے تیرا تو دل کھول کر رکھ دے...... نہ بتانے والی بات بھی اگل دے...... اور نہ چاہے تو ہونٹ سل جائیں۔'' موراں کی زبان بھی آج خوب چل رہی تھی۔

''بس موراں کیا بتاتی، وہی صاحبزادہ صاحب نے جان عذاب میں ڈال رکھی تھی۔ بڈھا کھوسٹ اپنی بجو پر نظر جمائے بیٹھا تھا...... ایک ہی ضد مہینے بھر کے لیے ساتھ بھیج دو باہر لے جاؤں گا...... اور میں نے بجو کے باپ سے وعدہ کر رکھا تھا کہ کسی سے نکاح پڑھوا کر رخصت کروں گی اور......''

''اچھا تو اس لیے حاتی دادا کو ڈھونڈا جا رہا تھا چپکے چپکے......'' موراں نے شاہجہاں کی بات کاٹی تو شاہجہان مبہم سا مسکرائی اسے اچھا لگتا تھا جب ظہورا یا موراں حاتی دادا کو بجو کا باپ کہتے تھے اندر چراغاں سا ہو جاتا تھا۔

''موراں بار، بار ایک بات میرے دماغ میں آتی ہے...... کیوں نہ بجو کے بجائے اس آنے والی لڑکی کو صاحبزادہ صاحب کے حوالے کر دوں...... اور کہہ دوں بجو کو اس کا باپ لے گیا اور نکاح کر دیا...... اس طرح صاحبزادہ صاحب بھی ناراض نہیں ہوں گے اور موتیا کی جگہ......'' شاہجہان نے بات ادھوری چھوڑ کر تائیدی نظروں سے موراں کی طرف دیکھا۔

''ارے واہ، ہم کیوں اپنی کوئی لڑکی دیں بڈھے کھوسٹ کو...... کیسے دم بھرتا تھا موتیا کا چار دن میں چاؤ اتر گیا...... میں تو کہتی ہوں شاہجہان واپس لاہور چلو۔''

"پر وہاں جا کر کیا کریں گے؟" شاہجہان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"وہی جو برسوں سے کرتے چلے آرہے ہیں۔" موراں نے چمک کر کہا۔ "موتیا کو تو یہاں کا پانی ہی راس نہیں آیا اور سنہری بھی گھٹ کر رہ گئی ہے۔ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپتی ہے۔ سچ پوچھو تو بندے کی عزت اپنے گھر میں ہی ہوتی ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے کون سا قارون کا خزانہ لٹا دیا ہے۔ ایک یہ گھر دے کر پابند کر دیا...... کرن وغیرہ لاہور گئیں تو رادھا کے چوبارے کو آباد کر کے بیٹھ گئیں۔ تم جا کر رہو گی تو دوڑی چلی آئیں گی۔ جتنا خیال تم کرتی تھیں، رادھا نے بھلا کیا رکھا ہوگا...... لڑکی چاند کا ٹکڑا ہے تو لاکھوں کمالو گی...... میں کہتی ہوں شاہجہان بیگم زیادہ مت سوچو...... بھینس اپنے کھونٹے پر ہی اچھی لگتی ہے۔ یاد ہے ناں جب اُدھر وحدت روڈ پر جا کر رہے تھے تو کیسا دم گھٹتا تھا۔ نہ وہ پھول گجرے، نہ رات کی رونقیں، مانو قید میں پڑے ہوں۔" موراں بقول سنہری کے آج سچ مچ فل فارم میں تھی۔
"صاحبزادہ صاحب کی عنایتیں منہ پر مارو شاہجہان بیگم اور بوریا بستر باندھ لو...... ایک گاڑی تک تو لے کر نہ دی موتیا کو اور زبردستی کی دھونس...... محفل نہیں سجانا...... نجی محفلوں میں جا کر گانا نہیں...... واہ بھئی واہ گائیں گے نہیں تو کھائیں گے کیا؟" موراں نے ہاتھ نچایا۔ شاہجہان نے ایک گہری سانس لی۔
"ٹھیک کہتی ہو تم موراں...... لڑکی ہاتھ آجائے تو بجو کا نکاح پڑھا کر سرخ رو ہو جاؤں، اپنے تئیں تو چلتے ہیں واپس...... تو شیدے کو کہنا لاہور نکل جائے اور سارے گھر کو صاف ستھرا کروا کے رنگ روغن کروا کے چاندنیاں گاؤ تکیے دھلوا کر رکھے...... دیکھ میں بھی کیسے صاحبزادہ صاحب کی عنایتیں ان کے منہ پر مارتی ہوں...... اب یہ تیل کی شیشی رکھ...... کل لگا دینا اور جا کر بجو سے پوچھ اس نے کر دیا تھا فون...... کہنا اسے کہے کہ آرزومند ہے تو جلدی باپ کو بھیجے دیر نہ کرے۔" اور لاہور جانے کے خیال سے ہی تو موراں کو گدگدی ہونے لگی وہ تیل کی شیشی اٹھائے لاؤنج سے چلی گئی تو شاہجہان پھر دسو کے انتظار میں ٹہلنے لگی۔

☆☆☆

ثمر حیات ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا برش کر رہا تھا جب عظام کھلے دروازے سے اندر آیا...... اور آئینے میں اس کا عکس دیکھ کر ثمر حیات ہیئر برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر اس کی طرف مڑا۔
"واؤ......" عظام نے سیٹی کے انداز میں ہونٹ سکیڑے۔ "بہت زبردست تیاری ہے پاپا۔" آج بہت دنوں بعد اس نے ثمر حیات کو تھری پیس سوٹ میں دیکھا تھا۔
"اپنے بیٹے کی سسرال جا رہا ہوں تیاری تو زبردست ہونی چاہیے ناں......" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ آیا۔
"ریئلی پاپا...... بہت شاندار لگ رہے ہیں آپ۔" عظام ستائشی انداز میں اسے دیکھتے ہوئے قریب آیا اور اس کی ٹائی کی ناٹ درست کی یک دم فرحی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ وہ جب بھی اس طرح کہیں جانے کے لیے تیار ہوتا تھا تو فرحی اس کی ٹائی کی ناٹ درست کرتی تھی اور اپنے اتنے قریب کھڑے ہو کر اس کا اس طرح ٹائی کی ناٹ درست کرنا اسے بڑا رومینٹک سا لگتا تھا۔ دل کے اندر درد سا اٹھا اور آنکھوں میں غبار سا چھا گیا۔ بہ مشکل دل کا درد دبا کر اس نے عظام سے پوچھا۔
"میں تو تیار ہوں کب چلنا ہے؟"
"بس پاپا میں تیار ہو کر آتا ہوں تو نکلتے ہیں۔"
"اچھی طرح تیار ہونا، میرے بیٹے کو مجھ سے زیادہ شاندار نظر آنا چاہیے۔" ثمر حیات نے مسکرانے کی کوشش کی۔
"اول تو یہ کہ مجھے ہمیشہ آپ سے پیچھے رہنا پسند ہے اور دوم یہ کہ میں آپ کو گیٹ پر اتار کر خود رواحہ کی طرف چلا جاؤں گا۔" وہ جاتے، جاتے رکا۔

"کیوں......؟" ثمر حیات نے بے دھیانی سے پوچھا۔

"رواحہ کہہ رہا تھا میرا آپ کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر بابا کی آج میٹنگ نہ ہوتی تو وہ آپ کے ساتھ چلے جاتے۔"

"یہ رواحہ بڑا استاد ہے بھئی۔" وہ پھر زبردستی مسکرایا۔ اندر جھکڑ چل رہے تھے۔ طوفان بپا تھے۔ عظام کی ایک چھوٹی سی حرکت نے ماضی کے در کھول دیے تھے۔ "سوری فرحی! میں ایسی زندگی نہیں گزار سکا جیسی تم چاہتی تھیں۔ میں ہر آزمائش میں ناکام ہو گیا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا فرحی......اب میں تنہا نہیں ہوں میرے ساتھ عظام ہے۔ لڑکھڑانے لگوں گا تو تھام لے گا......ہمت ہاروں گا تو حوصلہ بڑھائے گا...... میں نے عظام کی شادی کے بعد خانیوال جا کر زندگی نئے سرے سے گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" دل ہی دل میں فرحی کو مخاطب کرتا ہوا وہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔ عظام جا چکا تھا۔ اس زندگی کو اختیار کرنے میں وہ خود کتنا قصوروار تھا وہ جب بھی اپنا احتساب کرنے بیٹھتا تو خود کو بے قصور ہی سمجھتا تھا......وہ خود اس زندگی میں نہیں آیا تھا بلکہ اسے اس زندگی میں دھکیلا گیا تھا۔ جب بھی اس نے اسے چھوڑنا چاہا حالات نے پھر اسے واپس اسی زندگی میں لا پھینکا......اس روز جب وہ اس بچے (عظام) کو لے کر شاہجہان کے گھر سے نکلا تھا تو اس کے سامنے راستے صاف اور واضح تھے۔ اس کی جیب میں اتنی رقم تھی کہ وہ عظام کو لے کر خانیوال پہنچ گیا......جلیل خان کو وہ زبردستی اپنے ساتھ باندھنا نہیں چاہتا تھا۔ جانتا تھا کہ اس کی راہیں الگ ہیں اور وہ صرف فرحی کی وجہ سے مجبور ہوا تھا۔ ابھی وہ جلیل خان کو اپنے متعلق نہیں بتانا چاہتا تھا۔ ایک بار وہ سیٹ ہو جائے، اسٹور چل پڑے تو وہ جلیل خان کو بتا دے گا پھر اگر وہ آنا چاہے گا تو یہ اس کی خوش نصیبی ہوگی...... لاہور سے خانیوال تک وہ خواب دیکھتا اور پلان بناتا آیا تھا......اسٹور والی جگہ کی باقی رقم کی ادائیگی کر کے جگہ کا قبضہ لینا تھا۔ اسٹور کے حساب سے تعمیر و مرمت کرنا تھی۔ زیتون خالہ کے بھانجے کی بیوی سے مل کر کسی ایسی عورت کا بندوبست کرنا تھا جو عظام کی دیکھ بھال کر سکے وہ ذرا بڑا ہوا تو وہ اسے کسی اچھے ہاسٹل والے اسکول میں داخل کروا دے گا......وہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت کرے گا تو کیا خبر خدا اس پر مہربان ہو جائے، اس کا روحان اسے مل جائے۔ خانیوال کی گلیوں میں چلتے پھرتے کہیں نظر آ جائے وہ اپنے خیالوں میں گم اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا تو محلے کے چند افراد نے اسے گھیر لیا اور ایک بار پھر اس سانحے پر افسوس کا اظہار کرنے لگے......گھر میں تالا لگا تھا...... چابی یقیناً جلیل خان کے پاس ہوگی وہ تالا توڑنے کا سوچ رہا تھا کہ ایک بچہ چابی لے کر آیا۔ "اماں نے دی ہے۔ روحان کے نانا جان دے گئے تھے۔ اور دادی اماں کہہ رہی ہیں وہ کھانا وغیرہ دے جائیں گی۔" بچہ چلا گیا، وہ سب سے مل کر گھر میں داخل ہوا تو فرحی کی یادوں نے یلغار کر دی۔ آنسو بے اختیار اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تو عظام اپنے ننھے، ننھے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

"پاپا بابائے ہو گئی ہے۔......نہ روئیں ناں......آپ روئیں گے تو کاکا......نہیں عظمی بھی روئے گا۔" اور اس نے عظمی کی خاطر آنسو پونچھ لیے۔ بچے ایسے ہی جادوگر ہوتے ہیں رلاتے ہیں، ہنساتے ہیں اور جینے کا آسرا بن جاتے ہیں......عظمی کو پیار کرتے ہوئے اسے بھی لگا تھا کہ اس کے پاس زندہ رہنے کا جواز ہے......کچھ ہی دیر بعد پڑوسن خالہ چائے اور کھانا لے آئی تھیں۔

"آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔" وہ ممنون ہوا تھا۔

"تکلیف کیسی بیٹا......فرحی میری بیٹیوں جیسی تھی اور سچ پوچھو جب سے تم گھر سے نکلے ہو، ہر وقت تمہارے لیے دعا گو رہتی تھی۔ بچے کا کچھ پتا چلا؟" انہوں نے تجسس نظروں سے بچے کی طرف دیکھا۔

"نہیں......" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ان کا تجسس بھی ختم کیا۔

"میرا بھانجا ہے اپنی تنہائی کے خیال سے لے آیا ہوں۔"

"یہ اچھا کیا......" وہ خوش ہوئی تھیں۔

"بچے سے تمہارا دل بہلا رہے گا...... ورنہ اکیلا گھر تو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔" پڑوسن خالی چلی گئیں تو اس نے عظمی کو کھانا کھلا کر ٹی وی لگا دیا...... شاہجہان نے بتایا تھا کہ وہ ٹی وی بہت شوق سے دیکھتا ہے۔ اسے مصروف کر کے وہ بیڈ روم میں آ گیا تھا۔ ہر طرف فرحی کی خوشبو تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر اس کا برش تھا اور ایک دو پرفیومز اور ایک لپ اسٹک، وہ میک اپ نہیں کرتی تھی بیڈ پر اس کا دوپٹا پڑا تھا جو لاہور جانے سے پہلے اس نے اوڑھ رکھا اسے لگا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا...... اگر باہر ٹی وی روم میں عظمی بیٹھا ٹی وی نہ دیکھ رہا ہوتا تو وہ دھاڑیں مار، مار کر روتا...... نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے سختی سے دبائے وہ بیڈ پر بیٹھ کر ضبط کی کوشش میں نڈھال ہو رہا تھا۔ جب وہ دوڑتا ہوا کمرے میں آیا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچنے لگا...... وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ آ گیا...... اس نے...... ٹی وی کی طرف اشارہ کیا۔ ایک چھ سات سال کا بچہ سیڑھیوں پر ہونٹ لٹکائے بیٹھا تھا۔

"عظمی۔" اس نے ٹی وی کی طرف اشارہ کیا اور پھر اپنی طرف......

"عظمی...... عظام بیٹا کہاں ہو۔" ایک شخص اسے پکارتا ہوا سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ یہ بچوں کی کوئی ڈراما سیریز تھی...... اور غالباً کاکے نے اپنا نام یہاں سے ہی اخذ کیا تھا...... یوں اس کو عظمی کا مکمل نام معلوم ہو گیا تھا۔

"عظمی بیٹا چلو سو جاؤ۔"

"عظام...... میرا نام عظام......" وہ دنیا کا شاید واحد بچہ تھا جس نے اپنا نام خود رکھا تھا۔ اب وہ انگلی اپنی طرف کر کے تصحیح کر رہا تھا۔ شاید وہ اسی لیے اسے لایا تھا۔ عظمی کے مقابلے میں عظام کا تلفظ ادا کرنا اسے ذرا مشکل لگا تھا۔

''ہاں، عقام میرے بیٹے کا نام بہت پیارا ہے......'' عظمی، عقام کو خوش ہو گیا تھا۔
''بیٹا یہ ٹی وی بند کردیں۔ پاپا کے سر میں درد ہے اور انہیں ٹی وی کی آواز اچھی نہیں لگ رہی۔'' اس نے فرمانبرداری کے ساتھ ٹی وی بند کردیا اور بیڈ پر جا کر لیٹ گیا اور جلد ہی سو گیا تھا۔ بچے کے سونے کے بعد وہ پورے گھر میں چکراتا پھرا تھا۔ ایک، ایک چیز کو دیکھتا اور خاموش آنسو بہاتا رہا تھا۔ جلیل خان کہتا تھا وقت ہر زخم کا مرہم ہے تو کیا یہ زخم بھی بھر جائے گا شاید نہیں۔ اس نے چیک بک نکال کر سامنے رکھی تھی صبح اسے اپنے اور فرحی کے مشترکہ بینک اکاؤنٹ سے رقم نکلوانی تھی اور بہت سے کام کرنے تھے۔ اسے نہائے ہوئے کپڑے تبدیل کیے نہ جانے کتنے دن ہو گئے تھے۔ سونے سے پہلے اس نے ہاتھ لے کر کپڑے تبدیل کیے تھے اور پھر عقام کے پاس لیٹ گیا تھا......اور بہت دیر بعد آخر اسے نیند آ ہی گئی تھی۔
صبح اٹھ کر وہ باہر سے انڈے، دودھ اور ڈبل روٹی لایا تھا...... عقام کو ناشتا کروا کے اور منہ ہاتھ دھلا کر اس نے روحان کے کپڑے پہنائے تھے جو اسے آ گئے تھے۔ اور اسے پڑوسن خالہ کے پاس چھوڑ کر گھر سے نکل پڑا تھا۔ اسے دوسرے کاموں کے علاوہ عقام کے لیے شاپنگ بھی کرنا تھی وہ پہلے اس شخص کے پاس گیا تھا جس سے جگہ کا سودا ہوا تھا۔ مالک مکان اچھی طرح ملا...... فرحی کی تعزیت کی اور رقم ملنے کے فوراً بعد قبضہ دینے کا وعدہ کیا تو وہ شام تک رقم پہنچانے کا وعدہ کر کے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ ایک بڑی، بڑی مونچھوں والے بدمعاش ٹائپ آدمی نے اسے روک لیا۔
''حاجی منظور کا مکان تم خرید رہے ہو؟'' اس نے صرف اثبات میں سر ہلایا تھا۔
''اسٹور بناؤ گے...... منظور ا کہہ رہا تھا۔'' اس کی نظریں اس پر گڑی تھیں۔
''ارادہ تو ہے اللہ کامیاب کرے۔'' اس وقت وہ حیرت انگیز حد تک پُرسکون تھا۔ رات والی بے چینی اور بے قراری نہیں تھی۔
''دیکھو بھائی اس علاقے میں پہلے ہی دو جنرل اسٹور ہیں مزید کی گنجائش نہیں۔ تم اِدھر اسٹور بنانے کا خیال چھوڑ دو...... دوسروں کی روزی پر لات نہ مارو۔''

''ہر بندے کو اس کے حصے کا رزق ملتا ہے۔''
''زیادہ فلسفہ نہ بول جو بولا ہے اسے سمجھ لے۔''
اس نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا تھا۔ ثمر حیات نے بہ مشکل خود کو روکا تھا...... اور خاموشی سے ایک طرف ہو کر اپنے راستے پر چل پڑا تھا۔ بینک سے اس نے پانچ لاکھ نکلوائے تھے اس زمانے میں زمین اتنی مہنگی نہیں تھی تین لاکھ میں سودا ہوا تھا جو اسے ادا کرنا تھا...... باقی کے دو لاکھ اس نے دوسرے مقاصد کے لیے نکلوائے تھے۔ اسٹور کو سیٹ کرنا تھا، مال ڈلوانا تھا۔ وہ رقم جیب میں ڈال کر زیتون خالہ کے عزیزوں کے گھر کی طرف چل پڑا تھا۔ وہ ہر روز عقام کو پڑوس میں نہیں چھوڑ سکتا تھا اسے فوری طور پر کسی قابلِ اعتبار عورت کا انتظام کرنا تھا...... وہ ایک تنگ گلی تھی، شارٹ کٹ کے خیال سے وہ اس میں گھسا تھا...... گلی میں آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ اپنے دھیان میں مگن چلا جا رہا تھا کہ یک دم کسی نے پیچھے سے اسے قابو کیا تھا اور ایک لڑکا پہلو سے گزر کر اس کے سامنے آیا تھا۔ یہ غالباً بینک سے ہی اس کے پیچھے لگے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا دفاع کر پاتا پیچھے والے نے ایسی جگہ لات ماری کہ وہ تکلیف سے دہرا ہو گیا اور ابھی سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ چاقو والے نے ایک زوردار ٹھوکر ماری، وہ گر گیا تھا...... وہ جب بھی اٹھنے کی کوشش کرتا ایک زوردار ٹھوکر لگتی...... وہ اتنا کمزور ہرگز نہیں تھا کہ ان سے مار کھا جاتا لیکن اتنے دنوں کی پریشانی، بھوک پیاس سے بے نیاز وہ جو مارا، مارا پھرتا رہا تھا اس نے اندر سے کمزور کر دیا تھا......

آخری باراس نے اٹھنے کی کوشش کی تو ایک مکااس کی کنپٹی پر پڑا تھااور وہ کچھ دیر کے لیے بے حواس ہوگیا تھا۔اس دوران لڑکے اس کی جیب سے رقم نکال کر چمپت ہو گئے تھے۔ جب اس نے سر اٹھایا تو دو تین بندے اس کے اطراف کھڑے تاسف سے دیکھ رہے تھے۔

"کتنی رقم تھی؟ شکر کرو جان بچ گئی۔"

"ظلم ہے ظلم......"

مختلف آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے بار، بار وہ منظر آرہا تھا...... سالوں پرانا منظر'یہ منظر لاہور والے گھر کا تھا...... ماموں اسے مار رہے تھے۔ محلے والے لعن طعن کر رہے تھے جب شیر خان کی ایک ہی للکار نے نہ صرف ماموں کے ہاتھ روک دیے تھے بلکہ تماشا دیکھنے والے بھی سہم گئے تھے۔ تب اس نے سوچا تھا اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے شیر خان بننا پڑتا ہے اور آج بھی وہ متفق انداز میں سوچ رہا تھا۔ وہ بہ مشکل اٹھا تھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے روڈ تک آیا تھا۔ اور پتا نہیں کیسے گھر تک پہنچا تھا۔ پڑوسن خالہ کا لڑکا گلی میں تھا'اسے گھر کا دروازہ کھولتے دیکھ کر عظام کو چھوڑ گیا تھا۔

"پاپا......" عظام اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ اور سہمی نظروں سے اس کے پھٹے ہوئے ہونٹ اور سوجا ہوا چہرہ دیکھنے لگا تھا پھر اس نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تھا۔ پھر یک دم وہ اس سے لپٹ گیا تھا...... اپنے ننھے، ننھے ہاتھ اس کے چہرے اور ہونٹوں پر لگا رہا تھا۔ اسے چوم رہا تھا۔

"پاپا چوٹ لگی ہے...... ہائے ہے۔"

بے اختیار اس نے اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔

"پاپا کی جان......" دل کے اندر سے عظام کے لیے محبت کے سوتے پھوٹ پڑے تھے۔ اس رات اس نے پھر ایک فیصلہ کیا تھا۔ اسے شیر خان بن کر جینا تھا...... وہ ایک بار پھر حتمی انداز میں سوچ رہا تھا، ایک بار پھر وہ اس آزمائش پر پورا نہیں اترا تھا...... اور ایک بار پھر اس نے جلیل خان کے پاس پناہ لینے کا فیصلہ کرلیا تھا اور دوسرے ہی دن عظام کو لے کر وہ لاہور آگیا تھا۔

"خان بابا میں واپس آگیا ہوں آپ کے پاس، یہ زندگی آپ کی ہے۔" جلیل خان نے اسے گلے لگایا تھا۔ آنسو پونچھے تھے۔ اس پر جو بیتی تھی سب سنی تھی اور اسے آرام سے سوچ کر فیصلہ کرنے کو کہا تھا۔

"اگر خانیوال میں رہنا ہے تو میں ان کو بھی دیکھ لوں گا۔ تیرے اسٹور کی حفاظت کے لیے بھیج دوں گا بندوں کو......" لیکن اس نے ہتھیار پھینک دیے تھے...... وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

"چل ٹھیک ہے'کچھ دن آرام کر صحت بنا، جیدا، گلابو اور صابرہ ہیں ادھر جی بھر کر خدمات کروا...... اور ہو سکے تو بچے کو واپس کردے کیسے سنبھالے گا اسے۔"

"نہیں، بچہ میرے پاس ہی رہے گا۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی......" جلیل خان نے زیادہ بحث نہیں کی تھی۔

"مجھے کچھ دنوں کے لیے کراچی جانا ہے۔ اُدھر جیل میں ایک بندہ ملا تھا بندو خان...... کیا جی دار آدمی تھا۔ بڑی ہی اونچی شے...... بہت کام پھیلا رکھا ہے، اس نے مجھے بھی اپنے ساتھ شامل ہونے کو بولتا تھا پر تب اپنی فرحی بٹی سے وعدہ کر بیٹھا تھا۔ لیکن اب کل ہی اسے فون کر کے وعدہ کر بیٹھا ہوں تو پہلے آجاتا تو چلتا تیرے ساتھ اسٹور پر بیٹھتا اور پھر دیکھتا کون مائی کا لال اٹھاتا تمہیں اسٹور سے...... پر اب وعدہ کرلیا اور جلیل خان وعدہ کر کے پیچھے نہیں ہٹتا۔" اس نے جلیل خان کی معذرت پر سر ہلا دیا تھا۔ بندو خان کا بزنس بہت پھیلا ہوا تھا...... جلیل خان تو زیادہ

تر کراچی ہی رہتا تھا۔ البتہ وہ آتا جاتا رہتا...... کبھی ہانگ کانگ اور کبھی سنگاپور کے چکر بھی لگ جاتے...... عقام اسکول جانے کے قابل ہوا تو اس نے اسے اسکول داخل کروادیا...... جلیل خان کے گھر ہر طرح کے لوگ آتے سو وہ گھر چھوڑ کر گلبرگ چلا گیا تھا۔ ذرا سمجھدار ہوا تو ہاسٹل بھیج دیا...... اب تو کئی، کئی مہینے اسے باہر رہنا پڑتا تھا۔ بندو خان مر گیا تو خود بخود جلیل خان نے اس کی جگہ لے لی...... جلیل خان نے بہت ہاتھ پاؤں پھیلا لیے...... غیر ملکیوں سے بھی اس کے رابطے ہو گئے تھے۔ وہ اب بگ با کہلانے لگا تھا اور ثمر حیات کو سب باس کہنے لگے تھے...... وہ جیسے ایک دلدل تھی جس میں وہ اتر چکا تھا...... کبھی، کبھی اسے خیال آتا تھا کہ شاید وہ غلط تھا، وہ ہمیشہ گھبرا جاتا تھا' وہ کبھی کسی آزمائش پر پورا نہیں اترا تھا۔ معاشرے میں عزت سے سر اٹھا کر جینے کے لیے تھوڑی ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ جو ہوا تھا سب کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ زخموں کے ٹانکے کھلنے لگے تھے۔ ایک بار پھر وہ خود کو بے قصور گردان رہا تھا۔ اگر وہ جرائم پیشہ گروہ کا حصہ بنا تھا تو اسے اس زندگی کی طرف دھکیلا گیا تھا۔

پاس پڑا اس کا فون جانے کب سے بج رہا تھا۔ اس نے چونک کر اٹھایا۔

''بگ با کالنگ......'' اسکرین پر چمک رہا تھا۔

''لیس بگ با......'' اس نے بھاری آواز میں کہا۔

''ثمر حیات مجھے کل کی میٹنگ کے متعلق تم سے بات کرنا تھی کیا سوچا تم نے؟'' جلیل خان پوچھ رہا تھا۔ کل شام جلیل خان نے اس کے علاوہ اپنے گروہ کے چیدہ، چیدہ بندوں کو بلایا تھا۔ اور انہیں ایرک اور ولسن کی پیشکش کے متعلق بتایا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کے لیے کام کریں اور اس کے لیے انہوں نے کثیر رقم دینے کا وعدہ کیا تھا...... کام کی نوعیت کے متعلق جلیل خان نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

''میرا ذہن بہت الجھا ہوا ہے بگ با اور یوں بھی میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں یہ زندگی چھوڑنا چاہتا ہوں۔'' اس نے محتاط انداز میں بات کی۔

''تمہیں کچھ شکوک ہیں تو تم وضاحت لے سکتے ہو ان سے...... ایرک تو تمہیں بہت پسند کرتا ہے۔''

''بگ با میں اس وقت عقام کی ہونے والی سسرال جا رہا ہوں، ہم اس موضوع پر پھر بات نہیں کر سکتے؟'' اس نے جیسے التجا کی تھی۔

''او کے، تم واپس آجاؤ تو تفصیل سے بات کرتے ہیں۔ میرے اپنے ذہن میں کچھ الجھنیں ہیں جو باقی سب کی موجودگی میں کل رات تم سے ڈسکس نہیں کر سکا تھا۔ اُدھر سے فارغ ہو کر ڈی ون میں آجانا...... کیونکہ چند دنوں تک مجھے ایک بڑی ڈیل کے سلسلے میں بنکاک جانا ہے اس سے پہلے ایرک اور ولسن کے ساتھ فائنل بات ہو جائے تو بہتر ہے۔''

''لیس بگ با......'' اس نے فون بند کر دیا اب وہ ایرک اور ولسن کے متعلق سوچ رہا تھا۔ وہ آخر ان سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔ کم از کم وہ ان کے لیے کوئی ایسا کام کرنے کو تیار نہیں تھا جس سے اس کے ملک کو کوئی نقصان ہو...... اسے ان سے اپنی پہلی ملاقات یاد آ گئی جب انہوں نے کچھ ینگ لڑکے ہائیر کیے تھے۔ بظاہر شمالی علاقہ جات میں فلاح و بہبود کے لیے لیکن پس پردہ کیا مقصد تھا، وہ نہیں جانتا تھا۔ ان لڑکوں سے پھر کبھی اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی تاہم ایک بار اس نے جلیل خان سے سنا تھا کہ ولسن وغیرہ نے یہاں سے کچھ دلیر اور جی دار لڑکوں کو بلیک کیٹ نامی کسی فورس میں شمولیت کے لیے بھرتی کیا ہے...... بلیک کیٹ کے متعلق جاننے کے لیے اس نے گوگل کو کھنگالا تھا اور حیران رہ گیا تھا۔

''پاپا آ جائیں میں تیار ہوں۔''

عقام نے دروازہ کھول کر جھانکا تو وہ اپنے خیالات سے چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

سنہری نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر چاروں طرف تنقیدی نظروں سے دیکھا اور ماتھے پر تیوری چڑھا کر شاہجہان بیگم کے پاس کھڑی موراں کو گھورا جو شاہجہان بیگم کے کان میں نہ جانے کیا سرگوشیاں کر رہی تھی...... اور شاہجہان بیگم سر ہلا رہی تھیں۔

"موراں یہ کشن تم نے یہاں رکھا ہے کس قدر برا لگ رہا ہے۔" اس نے کشن اٹھا کر موراں کی طرف پھینکا، یہ گھر صاحبزادہ صاحب نے فرنشڈ ہی دیا تھا۔ فرنیچر وغیرہ استعمال شدہ ہی تھا جانے ان سے پہلے یہاں کون رہتا تھا۔ سامنے تھری سیٹر صوفے پر دو چھوٹے کشن پڑے تھے...... میرون صوفے پر میرون اور آف وائٹ امتزاج کے جبکہ موراں نہ جانے کہاں سے یہ میلا بدرنگ سا کشن اٹھا لائی تھی اور بیچوں بیچ رکھ دیا تھا۔

"ائے ہائے دو تھے صرف یہ اسٹور سے ملا تو میں نے کہا چلو تین ہو جائیں گے۔" موراں نے زمین پر گرے کشن کو اٹھا لیا تھا۔

"برا...... رونے سے نہ رونا اچھا ہوتا ہے۔" سنہری نے ایک ناراض نظر موراں پر ڈالی، وہ کل سے بہت ایکسائٹڈ ہو رہی تھی۔ عقام کا باپ بجل کا رشتہ مانگنے آ رہا تھا اور یہ ایک انہونی ہی تھی۔ اس نے اپنی نگرانی میں نیچے والا پورشن صاف کروا دیا تھا۔ خود ساتھ لگ کر جھاڑ پونچھ کی تھی کہ جب عقام کا باپ آئے تو وہ اپنے تام جھام کے ساتھ اپنے کوارٹر میں ہی رہیں۔

"کیوں، کیا وہ ہمیں دیکھ کر بھاگ جائے گا۔" ظہورا سر نیچا کیے مسکرا رہا تھا۔

"بھاگ بھی سکتا ہے، تمہاری یہ بھاڑوں اور طبلچیوں والی شکلیں دیکھ کر۔" ادھر بھی سنہری تھی۔ استاد جی کے بیٹے کو تاکید کی تھی کہ وہ گیٹ پر رہے۔ استاد جی تو مر گئے تھے البتہ تھوڑا بہت ہنر بیٹے کو سکھا گئے تھے سو شاہجہان اسے بھی ساتھ لے آئی تھی۔

"اس لڑکی کا تو دماغ چل گیا ہے۔ کل سے دیوانی ہو رہی ہے جیسے کسی سلطنت کا حکمران آ رہا ہو۔" موراں بڑبڑائی تو اس پر ایک غصیلی نظر ڈالتی ہوئی سنہری، شاہجہان کے قریب آئی۔ شاہجہان نے موراں کو جانے کا اشارہ کیا۔

"یہ تم دونوں کیا کھسر پھسر کر رہی تھیں۔" سنہری ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر شاہجہان کو کھوجتی نظروں سے دیکھنے لگی۔ شاہجہان نے اطمینان سے ہاتھ میں پکڑی پان کی گلوری منہ میں ڈالی اور اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے طنز کیا۔

"لڑکی تو کیوں باؤلی ہو رہی ہے۔ تجھ کا رشتہ آ رہا ہے تیرا نہیں۔" سنہری چند لمحے یوں کمر پر ہاتھ رکھے اسے انہی کھوجتی نظروں سے دیکھتی رہی۔

"اماں بات نہ ٹال...... یہ بتا اوپر بڑے کمرے میں کس کو بند کر کے رکھا ہوا ہے۔" اس نے یرخ موڑ کر اوپر سیڑھیوں پر چڑھتی موراں کی طرف دیکھا۔

"چل جائے گا پتا تجھے بھی...... پہلے ایک معاملہ تو نبٹ جائے۔"

"خرید کا مال ہے یا اغوا کر کے لایا ہے ظہورا۔" سنہری بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔

"میں نے کہا ناں تو مت دماغ کھپا...... تجھ کا رشتہ طے ہو جائے تو سب جان لینا پھر......"

"ہائے اماں......!" سنہری کا موڈ حسبِ معمول لمحوں میں بدلا تھا۔ "تجھ کا رشتہ طے ہو جائے ناں تو پھر ہم سب فنکشن کریں گے۔ مایوں، مہندی، ڈھولکی سب۔"

"ہاں تیرے باپ کی ملیں لگی ہیں ناں، میں تو دو بول پڑھا کر رخصت کر دوں گی۔" شاہجہان کو اس کی

فرمائش ایک آنکھ نہ بھائی۔

میرے باپ کی نہ سہی کیا خبر اس کے باپ کی لگی ہوں...... ڈھونڈ لے ناں اس کو......'' سنہری نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

''ہاں میرے پاس الہ دین کا چراغ ہے ناں جو رگڑوں گی تو حاضر ہو جائے گا۔''

''ہونا بھی تو چراغ رگڑے سے جن حاضر ہوتا، بجو کا باپ نہیں۔'' سنہری ہنسی۔ ''چل چھوڑ اماں...... میرے اور موتیا کے پاس کچھ پیسے ہیں ناں...... سارے فنکشن نہ سہی مہندی تو کروا لیں گے۔''

شاہجہان نے تاسف سے اسے دیکھا۔ کوٹھے کی پیداوار تھی پر دل تو اس کا بھی تھا۔ ٹی وی ڈرامے دیکھ دیکھ کر جانے کیسی، کیسی خواہشیں پال لی تھیں اس نے۔ شاہجہان نے دل ہی دل میں اپنی جمع پونجی کا حساب لگایا۔ مستقبل میں ہونے والی کمائی کے متعلق سوچا اور ایک نرم سی نظر اس پر ڈالی۔

''اچھا چل کر لینا اپنے شوق پورے۔''

''سچ اماں......'' سنہری نے جھٹ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس کے رخساروں پر دائیں بائیں پیار کیا۔

''اب جا تیار ہو جا...... ابھی تک سر جھاڑ منہ پھاڑ پھر رہی ہے اور بجو کو بھی کہہ تیار ہو جائے...... عقام کا باپ آنے والا ہوگا۔''

''ہاں......'' سنہری نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ ''عقام نے گھر سے نکلتے ہوئے فون کیا تھا کہ وہ لوگ نکل رہے ہیں۔ رش نہ ہوا تو آدھے گھنٹے تک پہنچ جائیں گے۔'' وہ بھی بتانے آئی تھی اور یہاں میلا کشن دیکھ کر بھڑک گئی تھی۔

''شیدے......'' اس نے لاؤنج کا دروازہ کھول کر گیٹ کے پاس کرسی پر بیٹھے شیدے کو آواز دی۔ ''چل جا اپنے کوارٹر میں اور ننھے خان کو باہر گیٹ پر بھیج دے۔'' پھر دروازہ بند کر کے مڑی۔

''پکی بات ہے ناں اماں مہندی ہو گی ناں......''

''پہلے رشتہ تو ہونے دے۔'' شاہجہان اس کے بچکانہ انداز پر مسکرائی تو وہ گنگناتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی...... شاہجہان نے کھلے پاندان کا ڈھکن بند کیا...... وسورات کو لڑکی چھوڑ گیا تھا۔ لڑکی واقعی چاند کا ٹکڑا تھی، لگتا تھا وسو نے کچھ زیادہ ہی کلوروفارم سونگھا دیا۔ موراں رات کو اسی کے کمرے میں سوئی تھی۔ صبح اٹھ کر اس نے واویلا کیا تھا اور کچھ ہاتھ پاؤں مارے تھے لیکن موراں نے خاموش کروا دیا تھا۔ وہ ایسی لڑکیوں کو سدھانے میں ماہر تھی۔ عقام کا باپ آنے والا تھا۔ اس لیے اس نے موراں کو اوپر بھیج دیا تھا کہ اگر وہ شور و غل کرے تو اسے سنبھال لے۔ لڑکی دیکھتے ہی اس نے لاہور واپسی کا پروگرام پکا بنا لیا تھا اور وسو سے بات بھی کر لی تھی کہ وہ لڑکی کو لاہور لے جانے کے لیے مدد کرے گا اور وسو نے وعدہ بھی کر لیا تھا البتہ یہ واضح کر دیا تھا کہ پیسے خرچ ہوں گے۔ ملتان تک پرائیویٹ گاڑی میں جائیں گے اور شاہجہان نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ ایسے ہیرے کے بدلے میں چار پیسے خرچ بھی ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ آنے والے دنوں کے تصور سے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ تب ہی باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی گیٹ کھلا اور گاڑی اندر پورچ میں آئی۔ شاہجہان نے اپنا دوپٹا درست کیا...... کان کے جھمکوں کو چھوا۔ چوڑیوں کو یونہی آگے پیچھے کیا اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ذرا گردن اونچی کر کے بیٹھ گئی۔

''مہمان آگئے ہیں۔'' لاؤنج کا دروازہ کھلا ننھے خان نے اندر جھانک کر کہا۔ وہ وہاں سے ہی پلٹ گیا تھا۔ یہ سنہری کی ہدایت تھی کہ مہمان کے ساتھ اندر ہی آ کر نہ کھڑا ہو جائے۔ شاہجہان استقبال کے لیے کھڑی ہو گئی۔

''جم جم آئیں اور......'' باقی کے جملے اس کے ہونٹوں پر ہی رہ گئے۔

''داداجی......!'' چند لمحوں بعد اس کے لبوں سے نکلا۔

آخری قسط انشاء اللہ اگلے ماہ